تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انٹرنیٹ گزٹ

المنار

جلد نمبر: 5
دسمبر: 2015
شمارہ: 12

زیر نگرانی: شعبہ اشاعت ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے

مجلس ادارت: عطاء القادر طاہر، سید حسن خان، آصف علی پرویز، رانا عبدالرزاق خان
مینجر: سید نصیر احمد

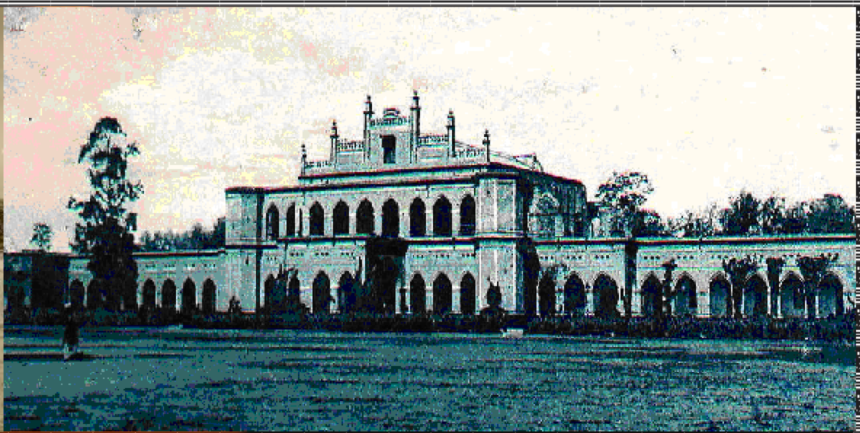

Taleem-Ul-Islam College
Old Students
Association - U.K

53, Melrose Road,
London, SW18 1LX.
Ph. : 020 8877 5510
Fax: 020 8877 9987
e-mail:
ticassociation@gmail.com

المنار ہر ماہ باقاعدگی سے جماعت احمدیہ کی مرکزی ویب سائٹ alislam.org پر upload کر دیا جاتا ہے۔ آپ گزشتہ شمارے دیکھنا چاہیں تو Periodicals کے حصّہ میں جا کر ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ المنار کو ہمیشہ آپ کی آراء کا انتظار رہتا ہے۔ (ادارہ)

www.alminaruk.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم　　وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

قال اللہ تعالیٰ

پس اللہ بلند شان والا ہے وہی بادشاہِ حقیقی ہے، اور آپ قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کریں قبل اس کے کہ اس کی وحی آپ پر پوری اتر جائے، اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے۔

(طٰہٰ:۱۱۵)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۞ علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین جانا پڑے کیونکہ علم حاصل کر نا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(شعب الایمان جلد ۲ حدیث نمبر ۱۶۶۳)

۞ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اے اللہ جو علم تو نے مجھے سکھایا اس کے ذریعے مجھے نفع پہنچا اور مجھے علم میں بڑھاتا چلا جا۔

(ترمذی، حدیث نمبر 3523)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں۔ پس جو جلدی نہیں کرتا بلکہ فکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے بصیرت اور معرفت عطا کر وہ اس حکمت کے خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۱۰۱)

ارشاد سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

احمدی نے علم و معرفت کے میدان میں سب سے آگے بڑھنا ہے۔ ذرا سی محنت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے یہ وعدہ ہے کہ آپ کے فرقہ کے لوگ علم و معرفت میں ترقی کریں گے۔ تو اس کا بھی فائدہ اٹھانا چاہئے ہمارے ہر ایک طالب علم کو اور جب کوشش کرینگے تو اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔ ان شاء اللہ۔

(مشعل راہ جلد پنجم صفحہ ۱۲۵)

میرا بھروسہ خدا پر ہے جو زندہ خدا ہے!

(الحاج عبدالکریم احمدی)

برٹش آرمی میں اپنی ملازمت کے دوران مصر میں مقیم تھا تو وہاں کے امریکن مشن کے ایک پچھتر سالہ بوڑھے پادری کے ساتھ میری کامیاب گفتگو کے نتیجے میں پندرہ بیس قبطی مسلمان جو بپتسمہ لینے ہی والے تھے عیسائی ہونے سے بچ گئے۔ اپنی اس ناکامی کا بدلہ لینے کے لئے اس پادری نے میرا پیچھا کیا اور میں جس سیکشن میں بطور ہیڈ کلرک ملازم تھا اس کے افسر انچارج کپتان رائٹ سے مل کر اسے اکسایا اور اس بات پر آمادہ کر لیا کہ مجھے سزا دلوا کر واپس ہندوستان بھجوا دیا جائے۔

اس کپتان نے پادری کی بات پر یوں عمل کیا کہ کپتان رائٹ نے مجھے بلانے کیلئے گھنٹی بجائی (میرے لئے 6 گھنٹیاں مقرر تھیں) میرا کمرہ انکے کمرے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ میں ابھی اپنے کاغذات تیار کر کے چپڑاسی کو دے ہی رہا تھا کہ کپتان نے گھنٹی بجا کر ایک دوسرے ہیڈ کلرک کو بلا لیا جس کا کمرہ اسکے کمرے کے بالکل قریب تھا۔ چنانچہ میں راستے سے ہی واپس چلا گیا۔ اس پر کپتان موصوف نے میرے خلاف شکایت کر دی اور مجھے وارننگ دے دی گئی۔ اس طرح اوپر تلے تین دفعہ شکایت کر کے کپتان نے مجھے تنبیہ دلوائی اور پھر ایک دن سفارش کی کہ میرا کورٹ مارشل کیا جائے۔ اس پر مجھے نظر بند کر دیا گیا۔ جو چارج شیٹ مجھے دی گئی اس میں درج تھا کہ میں نے کپتان رائٹ کی چار دفعہ حکم عدولی کی ہے۔ اور یہ کہ میں فلاں تاریخ کو حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کروں۔ جس روز فیصلہ ہونا تھا اس سے ایک دن قبل کپتان رائٹ نے دفتر میں اعلان کر دیا: کل مسٹر (الحاج عبدالکریم) احمدی (میں نے فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ایک شخص کے یہ بڑ مارنے پر کہ ہم احمدیت کو مٹا کر دم لیں گے اپنا نام اے کے احمدی رکھ لیا تھا) کو چھ ماہ کی سزا ہو جائے گی۔ بلکہ ایک مصری احمدی دوست السید علی حسن جب میس میں کھانا کھانے گئے تو بعض مخالف ہیڈ کلرکوں نے انہیں یہاں تک طعنہ دیا کہ کل تمہارے مولوی کو IMSM (تمغہ حسن کارکردگی) ملے گا۔ السید علی حسن بتانے لگے مخالفین یوں طنزیں کر رہے ہیں۔ میں نے ان سے اسی وقت کہہ دیا کہ آپ میس میں جا کر اعلان کر دیں کہ میرا خدا قادر ہے کہ مجھے ان مخالف حالات کے باوجود تمغہ دلا دے۔ اس اعلان پر مخالفین خوب ہنسے کہ جاتو یہ جیل رہا ہے اور خوابیں تمغے کی دیکھ رہا ہے۔ الحاج عبدالکریم احمدی لکھتے ہیں کہ وہ ساری رات میں نے جاگ کر دعاؤں اور نوافل میں گزاری۔ اگلے دن فوجی عدالت میں میری پیشی تھی۔ میں نے جج کے سامنے وہ سارا قصہ جو اصل حقیقت تھا بیان کر دیا۔ جج نے گواہ پیش کرنے کیلئے کہا تو میں نے عرض کیا کہ افسر انچارج کے خلاف کون گواہی دے گا۔ اس پر جج کہنے لگا تو پھر میں تجھے مجرم قرار دیتا ہوں۔ ابھی اس سے آگے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کمپنی کمانڈر جنرل شوٹ کا فون آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ تم فیصلہ مت سناؤ اور مقدمے کے سارے کاغذات لیکر میرے پاس آ جاؤ۔ ادھر خدا نے تو جج کو فیصلہ سنانے سے روک دیا مگر کپتان رائٹ اپنی ناپاک سازش کی کامیابی پر ابھی تک ایسا مطمئن تھا کہ کہنے لگا مسٹر احمدی ہمارا آپس میں اچھا وقت گزرا ہے افسوس کہ اب تم جیل میں جا رہے ہو۔ اس پر آناً فاناً میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے مسٹر رائٹ تم غلط سمجھے ہو تمہاری حیثیت اس زمین پر ایک مرے ہوئے کیڑے سے زیادہ نہیں۔ جہاں تک میرا سوال ہے تو میرا بھروسہ اپنے خدا پر ہے جو زندہ خدا ہے۔ وہ مجھے ترقی بخشے گا اور تمہیں تنزل کا نشانہ بنائے گا۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ جج کاغذات سمیت واپس پہنچ گیا اور بولا تم دونوں کو جنرل صاحب بلا رہے ہیں۔ جنرل شوٹ نے مجھے عزت سے کرسی پر بٹھایا کہ بریگیڈیئر کڈ ایک سو روپے زائد الاؤنس پر تمہیں اپنے پاس رکھنے کے لئے طلب کر رہے ہیں۔ انہوں نے بریگیڈ میجر کو بلایا کہ مسٹر احمدی کو ترقی کے آرڈر کے علاوہ ریلوے کا وارنٹ اور اردلی ساتھ دے دو۔ میں تو یہ سن کر اپنے اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر بجا لایا مگر کپتان رائٹ کے ساتھ کیا ہوا وہ بھی سن لیں۔ جنرل نے ان سے کہا تم رائٹ (یعنی درست) نہیں ہو۔ جج مجھے بتا کر گیا ہے کہ تم نے پادریوں کے کہنے پر مسٹر احمدی کے خلاف جھوٹا مقدمہ کھڑا کیا ہے۔ میں تمہارے سٹاف کے امتحان کو منسوخ کرتا ہوں۔ ماہوار الاؤنس بند کرتا ہوں اور دفتر کی بجائے محاذ پر بھیج رہا ہوں۔ تو یہ تھی اس خدائے ذوالجلال کی قدرت جس نے آن کی آن میں تمام کا یا پلٹ کے رکھ دی۔

(از درویشانِ احمدیت جلد دوم)

اُٹھ گئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا
یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالی رہ گیا

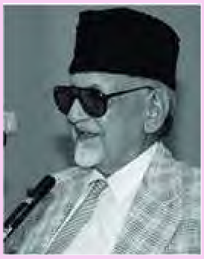

اکیسویں صدی کی غزل الغزلات

پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی

ہر زمانہ میں ایسے نابغے موجود رہے ہیں جو اپنی فنی بصیرت،فکری پختگی،زبان وبیان پر بے پناہ قدرت،حرفوں کی مزاج شناسی اور لفظوں کی طلسم گری کی وجہ سے اپنا وجود منواتے اور علمی اور ادبی دنیا میں اپنا مقام بزورِفن منواتے ہیں۔انہیں کسی کی توصیف وثنا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ان کا کہا خود ان کا مقام متعین کرتا ہے۔ان کا قول ہوتا ہے۔

”ہم نے اظہار کی راہیں کھولیں
ہم نے لفظوں سے بغاوت کی ہے“

اور لفظوں کے یہ باغی ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔جب وقت یہ پکارنے لگے کہ

”تم عہد کے حالات رقم کیوں نہیں کرتے؟“

تو اسوقت یہی لوگ اپنی اپنی زبور اٹھائے سامنے آجاتے ہیں۔میں ایسے ہی ایک نابغہ کا ذکر کرنے جارہا ہوں جس نے اکیسویں صدی میں نئے لہجہ کی غزل الغزلات تصنیف کی ہے۔وہ جانتا ہے کہ”لفظ مرجائیں تو مفہوم بھی مرجاتے ہیں“اس لئے اس نے لفظوں کو مرنے اور کاغذ کو خون سے بھرنے نہیں دیا۔وہ اپنے عہد کے آشوب سے دوچار ہے۔دیکھتا ہے اور حیران کہ

”کس نے آنکھیں بنا کے پھینک دیا
اتنے چہروں کے درمیان ہمیں؟“

اتنے چہروں میں اسے آدمی کوئی نہیں ملتا

”جس سے پوچھو وہی فرشتہ ہے
کیا کوئی آدمی نہیں ہم میں؟“

پھر خود ہی جواب دیتا ہے

”جس سے پوچھو وہی فرشتہ ہے
آدمی کوئی خال خال ہوا“

اس قحط الرجال کے زمانہ میں اس کے سامنے ایک ہی جواب ابھرتا ہے کہ ہزار سال کے بعد آسمان بولا ہے ازل سے یہی دستور آسمانی چلا آتا ہے کہ

”ہزار سال کے بعد آسمان بولتا ہے“

اور سارے لوگ اس کے سامنے سینہ سپر ہوکر اس کا راستہ روکنے کے درپے ہوجاتے ہیں۔اسی ہمہ گیر مخالفت نے اسے سوچنے پر اکسایا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ

”لوگ اتنے خلاف ہیں اس کے
وہ کہیں عہد کا رسول نہ ہو“

اس نے محسوس کیا

”خوشبو پہن کے نکلی ہے آواز عہد کی
لگتا ہے کوئی صاحب الہام آئے گا“
”گُل مراد کھلا تھا ہزار سال کے بعد
چمن کا ورنہ روایات پر گزارہ تھا
میں اپنی ذات سے آگے سفر پہ کیا جاتا
کہ اس جزیرے کے چاروں طرف کنارا تھا“

مگر اس نے اپنی ذات کے جزیرے کو تج کر وقت کے مامور کا دامن تھام لیا۔غزل الغزلات اپنے عہد کے رسول کی مہما میں لکھی گئی ہے۔”اشکوں کے چراغ“اس دور کی زبور ہے۔مظفر عارفی اپنے مرشد کے لفظوں میں ”میں ہوٴا اداؤداور جالوت ہے میرا شکار“ کا مظہر ہے۔اس کا نعرہ ہے کہ

”اب نہ الفاظ کے کژدم ہیں نہ آواز کے سانپ
اب کسی جھوٹ کو آئے گا نہ اثر در ہونا“

شاعر نے انہیں ٹوکا تو

”پھر وہی اظہار کی سولی ہے اور مضطر ہوں میں
پھر مجھے لفظوں نے آگھیرا اکیلا دیکھ کر“

ایک دولحظوں کے لئے اسے گماں تو ہوا ہوگا کہ شاید وہ تنہا ہے مگر اندر کی آواز نے اسے دلاسا دیا

”اسے اتنی حقارت سے نہ دیکھو
اکیلا ہے مگر تنہا نہیں ہے“

یہ ایک اکیلی روح کی شاعری ہے جس کی تنہائی آباد اور جس کی آواز اپنے عہد کی آواز ہے

”منصور ہوں میں آخری صدی کا
سولی مرا انتظار کر لے“

وہ اپنی سولی کے انتظار میں چشم براہ ہے اور سولی اس کی راہ تک رہی ہے۔بیسویں صدی میں اس کے ہم عصر شعراء نے دار ورسن اور سولی کے بہت مضمون باندھے ہیں مگر اس کی سولی انوکھی ہے

”جس کے نصیب میں ہو کھلے شہر کی صلیب
اس خوش نصیب کی ہو خوشی کا ٹھکانہ کیا“

کھلا شہر؟

”اب آج سے اس شہر کا ہر شخص ہے مجرم
نوٹس یہ کھلے شہر کے تھانے پہ لگا ہے“

یہ بیسویں صدی کا انوکھا واقعہ تھا کہ شہر کے خلاف فرد جرم عاید ہوئی۔کسی کو اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔عام عوام بے حس خواص مصلحت پسند،دانشور خاموش اور لوگ خوف زدہ ہوجائیں تو وہی رجیم مسلط ہوجاتی ہے جس کے بارہ میں مشتاق احمد یوسفی نے کہا ہے کہ”اس دور زیاں میں جب بھی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہوں لگتا ہے اس رجیم سے مرا یہی رجیم ہے“۔(آب گم۔صفحہ16)زمانہ اسی کھوج میں ہے

”سولی کو جو بجا سکے وہ سر تلاش کر
اے شیخ شہر پھر کوئی کافر تلاش کر“

اور میں

”عاشق صادق ہوں فرزانہ نہیں
میرے اندر عقل کا خانہ نہیں“

اس لئے زمانہ سازوں نے اپنی کری بچانے کی فکر میں ایک پورے گروہ وفا شناساؤں کو کافر قرار دے دیا

”وہ اک حسین تھا اس عہد کے حسینوں میں
اسے کسی نے تو کافر قرار دینا تھا“

حکومت میں اور ملا میں گٹھ جوڑ ہوا

”حکومت اور ملائے حزیں میں
سنا ہے کہ خدائی ہو رہی ہے“

ہوئی۔مگر۔
”آسماں پر ہو چکا تھا فیصلہ اس کے خلاف
وہ جو تھا اہل زمیں نے فیصلہ لکھا ہوا“
”ہمی نے وقت کی دہلیز پر کھڑے ہو کر
اسے کہا تھا جلدی میں فیصلہ نہ کرے“
کیونکہ۔
”زمین سب سے بغل گیر ہو کے پوچھتی ہے
وہ کون ہے جو مجھ سے معانقہ نہ کرے“
مگر اس کو اپنی کرسی کا زعم تھا۔
”نہ شوخی بگھار اپنی کرسی کی اتنی
مکافات سے کچھ تو ڈر احتیاطاً“
مگر اس کے سر پر سینچر سوار تھا۔کوئی منتر کام نہ آیا۔
”بید جی کرسی کے کانے کا بھی کچھ کرتے علاج
کوئی پوتھی کھول لیتے کوئی منتر دیکھتے“
ہمارا کہا اس کی سمجھ نہ آیا۔
”ہم فقیروں کے قتل سے پہلے
اپنے انجام پر نظر کرنا“
”تم عہد کی آواز سے ڈر کیوں نہیں جاتے
پندار کی سولی سے اتر کیوں نہیں جاتے“؟
اور پھر وہی ہوا جو ہوا کرتا ہے۔
”جس کا دعویٰ تھا مری کرسی بڑی مضبوط ہے
ذکر اس کا داستاں در داستاں کوئی نہ تھا“
اب رہے ہم کافر؟ تو۔
”فتوے کٹھ ملاؤں کے
جوتے میرے پاؤں کے!
”میں ایک ہوں کبھی تقسیم نہیں ہو سکتا
اگرچہ بانٹ لو تم مل کے آدھا آدھا بھی“
”منسوخ نہ ہو سکوں گا ہرگز
قدرت کا اٹوٹ فیصلہ ہوں“
”بولوں تو ہوں عہد کی علامت
خاموش رہوں تو معجزہ ہوں“
پھر وہ دور آ گیا جب ایک نئی سولی گاڑ دی گئی۔
”ہم مؤذن ہیں عہد کے لیکن
کوئی دینے بھی دے اذان ہمیں“

جو نیا فرعون اٹھا اس کا حال یہ تھا۔
”سوائے اپنے اسے کچھ نظر نہ آتا تھا
فقیہہ شہر کے سر میں فتور اتنا تھا“
سارے ملک کے اخباروں کی گویا لگامیں کھل گئیں۔
ہر قسم کا رطب و یابس چھپنے لگا۔سچ لکھنے پر پابندی لگ گئی۔جھوٹ لکھنا اہل ہوس کا شیوہ ٹھہرا اور آذوقہ۔
”اگر آنا نہ ہوا انکار پڑھنا
کبھی اس عہد کے اخبار پڑھنا“
”تم اپنا جھوٹ خود پڑھ کر سنا دو
ہمیں آتا نہیں سرکار پڑھنا“
اور اگر ہم نے سچ لکھنا چاہا تو
”لگتا ہے نماز پڑھ رہے ہیں
لفظوں کی کٹی ہوئی ہیں بانہیں“
مگر اتنی تسلی رہتی ہے۔
”دھوپ کی شدت ہے سولی تک
آگے سایہ ہی سایہ ہے“
پھر وہی ہوا جو ایسوں کا انجام ہوا کرتا ہے۔
”نسخہ بن کر پس جاؤ گے نادانو
جب تقدیر کا ہاون دستہ بولے گا“
”جس کو ہر لیکھرام جانتا ہے
میں وہی مرگِ ناگہانی ہوں“
یہ سارا پس منظر اس شہر آشوب کا ہے جس سے مظفر عارفی اور اس کا قبیلہ گذرا۔اس نے لفظوں کے استعمال میں بچت کی نہ اسراف۔
”کوئی تو سمجھے گا اس عہد کے آدم کی زباں
شہر مسحور میں کوئی تو بشر بھی ہو گا“
وہ اس کو ندا کی آواز سن کر پتھر نہیں ہوا۔اس نے کہا۔
”ہم اشاروں میں بات کرتے ہیں
ہم نے ڈالی نئی زبان کی طرح“
”سب راستے گذرتے ہیں اس کے قریب سے
صحرائے نینوا میں جو چیرنگ کراس ہے“
”میں بھی پیاسا ہوں کسی کی دید کا
میرے اندر بھی ہے اک تھرپارکر“
”چاند کھڑا ہے مدت سے دروازے پر
چہرہ بھی پیلا سا ہے بیمار نہ ہو“

”اشکوں میں ہیں انا کی چٹانیں چھپی ہوئی
جیسے سمندروں میں ہمالے پڑے ہوئے“
”کوچہ و بازار میں برسا لہو
بادلوں کی رت میں آنکھیں آئیاں“
”عشق اس کے عہد میں بے دست و پا ہو جائے گا
آنکھ استنبول سینہ قرطبہ ہو جائے گا“
اور اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ
”خدا کرے آسماں کا خیمہ رہے سلامت
مکین بھی اب تو کہہ رہے ہیں مکاں گرے گا“
”اپنے سائے سے ڈر رہے ہیں لوگ
جی رہے ہیں نہ مر رہے ہیں لوگ“
یہ اس عہد کا المیہ ہے جس کو ہمارے کم فہم حاکموں اور پیٹ پرست ملاؤں نے مل کر پیدا کیا ہے۔مظفر نے کیا سادہ انداز میں بات کہی ہے کہ۔
”سب دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں
جس قدر صاحبان بیٹھے ہیں“
کہ یہ غلط تو نہیں کہ
”کشتۂ تیغ انا لگتا ہے
واعظِ شہر خدا لگتا ہے“
”اس کو کرو کمال اتاترک کے سپرد
ملا کو آزمانے کے بعد آزمانا کیا“
ہمارا کیا ہے۔
”کس قدر وضع دار ہیں ہم لوگ
قبر میں بھی سفید پوش رہے“
تاریخ بتاتی ہے کہ بہت خدا بننے والے آئے اور چلے گئے۔خدا وہی ہے جو ایک ہے۔خدا وہی ہے جو خدا ہے۔
”سمت ہے اس کی نہ حد
قل ھو اللہ احد!!“
یہ غزل الغزلات خدا کی واحدیت اور اس کی احدیت کے سایہ میں ستانے والوں کا نغمۂ مستانہ ہے۔
چلتے چلتے مظفر نے ہمارے اور اپنے مرحوم یار پروفیسر نصیر احمد خاں کو جو خراج پیش کر دیا اس کا ذکر کئے بغیر بات ختم کرنے کو جی نہیں مانتا۔
”تم بھی اے کاش کہہ سکو مظفر
شعر کوئی نصیر خان سا ایک“

انٹرنیشنل مشاعرہ بیت السبوح فرینکفرٹ جرمنی

زیر انتظام: تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب صدر تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی نے صدر ایسوسی ایشن یو کے سے باہم مشاورت کے بعد ایک مشاعرہ یکم نومبر 2015ء کو فرینکفرٹ میں منعقد کیا۔ جس میں تقریباً تین صد احباب نے شرکت کی۔ جس میں جناب امیر صاحب جماعت ہائے جرمنی جناب عبداللہ واگس صاحب، امام صاحب بیت السبوح محترم حیدر علی

ظفر صاحب، صدر مجلس انصاراللہ جرمنی، ان کے علاوہ یو کے سے سترہ اولڈ سٹوڈنٹس یو کے نے بھی لندن سے شرکت کی۔ جس میں صدر تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے محترم مبارک احمد صدیقی صاحب، نائب صدر محترم ظہیر احمد جتوئی سیکرٹری تجنید رانا عبدالرزاق خان، سیکرٹری فنانس سلیم الحق خان، محترم سرافتخار احمد ایاز صاحب، سابق امام مسجد فضل محترم بشیر احمد رفیق صاحب، سابق جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ یو کے محترم بشیر احمد

اختر صاحب، طارق صفدر صاحب، سید حسن خان صاحب، ناصر جاوید خان صاحب، ڈاکٹر داؤد احمد طاہر صاحب، آصف علی پرویز صاحب، انس احمد بٹ صاحب، شفیق احمد سندھی صاحب، ظریف احمد صاحب، خالد محمود صاحب، مرزا حفیظ احمد صاحب، محمود رفیق صاحب، وسیم باری صاحب بھی

شامل تھے۔ مشاعرے سے قبل ایک جائنٹ میٹنگ کی گئی جس میں یو کے اور جرمنی کی ایسوسی ایشن کے ممبران شامل ہوئے۔ جس میں سب نے باری باری اپنا تعارف کروایا اور کچھ پرانی یادیں بھی تازہ کی گئیں۔ پھر چوہدری محمد علی مضطر کی یاد میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ مشاعرے میں تقریباً 25 شعراء نے اپنا کلام پیش کیا اور نظامت کے فرائض محترم عرفان احمد خان دہلوی نے ادا کئے۔ مشاعرے کا ماحول بہت اچھا اور خوشکن تھا، سب نے بہت ہی اچھا کلام پیش کیا اور ناظرین بہت محظوظ ہوئے، ہر طرف سے واہ واہ اور بہت خوب کی صدائیں آرہی تھیں۔ مشاعرہ جو کہ اڑھائی بجے شروع ہو کر نماز

مغرب کے وقفے کے بعد عشاء تک جاری رہا۔ محترم سرافتخار احمد ایاز صاحب نے بھی تقریر کر کے چوہدری محمد علی مضطر عارفی کی شخصیت پر روشنی ڈالی اور خلافت کی برکات کا تذکرہ کیا۔ نیز محترم بشیر احمد رفیق صاحب نے اپنی یادوں کے خزینے سے بہت سے یادگار واقعات کا اضافہ کیا۔ لندن مشن کے ساتھ ساتھ چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے ساتھ گزارے گئے ایام کی یاد تازہ ہوئی۔ لوگ چاہتے تھے کہ یہ بیان جاری رہے مگر وقت کافی ہو چکا تھا۔

مشاعرے کے اختتام پر مکرم و محترم مبارک صدیقی صاحب صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے نے اپنے مخصوص انداز میں اپنا سنجیدہ و مزاحیہ کلام پیش کیا جس سے محفل کشت زعفران بن گئی۔ اسکے علاوہ انہوں نے اپنی شاعری کے ساتھ ساتھ برکات خلافت کے حوالے سے بہت سے

ایمان افروز واقعات سنائے اور امام وقت کے ساتھ وفا اور اطاعت کا ایک مضبوط تعلق قائم رکھنے پر زور دیا۔

احباب جو جرمنی میں سے دور دور سے تشریف لائے تھے اُنہیں جانا بھی تھا۔ آخر دعا سے اس مبارک اور یادگار پروگرام کا اختتام ہوا جو کہ بہت سی اَنمٹ یادیں چھوڑ گیا۔ پانچ دوست جو دو دن پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ اُن کو جمعہ کے روز جامعہ احمدیہ جرمنی دکھائی گئی تھی۔ دوسرے دن روڈیہیمز اور فرینکفرٹ کی سیر کرائی گئی۔ ہم سب ممبران مجلس عاملہ تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے، محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب اور سب ممبران مجلس عاملہ تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے بہت ہی ممنون ہیں کہ انہوں نے مہمان نوازی میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ سب کا بہت ہی محبت اور پیار سے خیال رکھا اور سب ہی کو بہت احترام سے نوازا۔ اس موقعہ پر تصاویر بھی لی گئیں۔

ذروں کی کہانی - آصف کی زبانی

لوہاروں کا کالج - تحقیقی سائنس کا مرکز (آصف علی پرویز)

دوست: اب تو امپیریل کالج لندن (جسے کیمبرج والے تفنن کے طور پر "لوہاروں کا کالج" کے نام سے یاد کرتے تھے) میں بنیادی نظریاتی طبعیات کا آغاز ہونے والا تھا۔ یہ بتایئے کہ پروفیسر عبدالسلام صاحب نے کب یہاں پر اپنے کام کا آغاز کیا؟

آصف: پروفیسر عبدالسلام صاحب نے یکم جنوری 1957ء کو اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ جب آپ نے صدر شعبہ کا عہدہ سنبھالا تو آپ کی عمر صرف 30 برس اور گیارہ ماہ تھی۔ آپ امپیریل کالج میں مقرر ہونے والے سب سے کم عمر پروفیسر تھے۔ آپ پاکستان بلکہ دولت مشترکہ کے واحد سائنس دان تھے جن کو اس عظیم عہدہ پر فائز ہونے کا اعزاز ملا۔ اور وہ بھی فزکس کے میدان میں جس پر کئی صدیوں سے مغرب کی اجارہ داری تھی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

دوست: یقیناً ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ کجا وہ وقت تھا جب گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل صاحب نے آپ کی سالانہ رپورٹ میں لکھا تھا کہ "سلام گورنمنٹ کالج کیلئے موزوں نہیں" اور آج یہ وقت کہ امپیریل کالج لندن کے شعبہ فزکس کی صدارت نصیب ہوئی۔

آصف: اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہی کہنا چاہیئے کہ گورنمنٹ کالج کے ارباب اقتدار کی کوتاہ نظری تھی جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کی وہ قدر نہ کی جس کے آپ بجا طور پر مستحق تھے۔

دوست: کاش کوئی ہوتا جو آپ کی اس عظیم کامیابی پر چند فقرے ہی لکھ دیتا تا کہ اہل پاکستان کو بھی پتہ چلتا کہ اس کی سرزمین نے کیسے کیسے گوہر پیدا کئے ہیں۔

آصف: اتفاق ایسا ہوا کہ انہی دنوں روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور کے مالک اور مشہور سیاستدان میاں افتخار الدین صاحب لندن تشریف لائے۔ جب انہیں پروفیسر عبدالسلام صاحب کے اس تقرر کا علم ہوا تو آپ پروفیسر صاحب سے ملنے کیلئے تشریف لائے۔

دوست: انہیں تو پروفیسر صاحب کے تقرر کے بارے میں جان کر ایسا لگتا ہے کہ بہت خوشی ہوئی۔

آصف: یقیناً۔ پاکستان ٹائمز میں پروفیسر صاحب کی تحقیقات اور آپ کے بارہ میں ایک مضمون بعنوان "ایک پاکستانی ماہر طبعیات کا ممتاز مقام" کے عنوان سے 25 اگست 1957ء کو شائع کرایا جس میں آپ کی عظیم کامیابیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

"دنیا کے چوٹی کے علمائے طبعیات کے علاوہ بہت کم لوگ ایک پاکستانی سائنس دان کے اس علمی کارنامے کے بارہ میں جانتے ہوں گے جو انہوں نے اس سال کے شروع میں نظریاتی طبعیات کے میدان میں سرانجام دیا۔ ان کے اپنے وطن میں ان کے اس کارہائے نمایاں کے بارہ میں تو بہت ہی کم افراد کو علم ہوگا۔ ان کا نام نامی ڈاکٹر عبدالسلام ہے۔ حال ہی میں ان کا تقرر امپیریل کالج لندن میں ہوا ہے۔"

دوست: یہ تو انہوں نے بہت اچھا کیا۔ اس سے پاکستانیوں بالخصوص سائنس کے طلباء کا حوصلہ بہت بلند ہوا ہوگا۔

آصف: یقیناً کیوں نہیں! پھر آپ نے پروفیسر صاحب کی سائنسی تحقیق کا تفصیلی ذکر کیا جس میں آپ کو نوبل انعام مل جانا چاہیئے تھا۔

دوست: مجھے یاد ہے کہ ہم نے اس بارہ میں تفصیلی گفتگو کی تھی جو المنار کی اشاعت جون 2015ء میں شائع ہو چکی ہے۔ میں تو اس کو دوبارہ پڑھ کر اس کا لطف اٹھاؤں گا۔

آصف: ڈاکٹر صاحب کے آنے سے امپیریل کالج لندن نظریاتی تحقیق کا مرکز بن گیا اور دنیا بھر کے نوبل انعام یافتہ پروفیسر صاحبان یہاں آ کر اپنی تحقیق کے بارہ میں لیکچر دیتے۔

دوست: مجھے یاد ہے کہ آپ نے بتایا تھا کہ پروفیسر ہگز نے بھی اپنی تحقیق کاموں کا آغاز اسی کالج سے شروع کیا تھا۔

آصف: یقیناً! یہ کالج نظریاتی تحقیق کام کرنے والوں کی جنت بن گیا۔

دوست: پروفیسر عبدالسلام صاحب نے اپنے کام کا آغاز کیسے کیا؟

آصف: کیوں نہ اس کی تفصیل اگلی ملاقات میں بتاؤں!